پانچواں باب
سرمائے کے عمومی کلیے کے تضادات

روپے کے سرمائے میں بدلنے پر گردش جس ہئیت کو اپناتی ہے، وہ ان تمام اصولوں کے مخالف ہے جس کی تحقیق ہم نے اب تک اشیاء، قدر، روپے اور حتیٰ کہ خود گردش کی اصلیت کو سامنے رکھتے ہوئے کی ہے۔ جو چیز اس ہئیت کو اشیاء کی سادہ گردش سے ممیّز ہے وہ دراصل ان دو مقابل عوامل یعنی خرید اور فروخت کے بہاؤ کا الٹا انداز ہے۔ ان عوامل کے مابین پائی جانے والی یہ خالصتاً ہئیتی تخصیص ان کے خاصے کو کیسے بدل لیتی ہے، جیسے یہ ایک جادو کا کمال ہو؟

لیکن بات صرف اتنی ہی نہیں۔ اس کایا کلپ کا سودے بازی میں شریک تین افراد میں سے دو کے لئے کوئی وجود نہیں ہوتا۔ سرمایہ دار کی حیثیت سے میں A سے کچھ اشیاء خریدتا ہوں اور ان کو دوبارہ B کے آگے بیچ دیتا ہوں، لیکن اشیاء کا محض مالک ہوتے ہوئے میں ان کو B کے آگے بیچ دیتا ہوں اور A سے نئی [اشیاء] خرید لیتا ہوں۔ A اور B کو سودے بازی کے دونوں معاملات میں کوئی فرق نظر نہیں آیا۔ وہ یا تو صرف خریدار ہیں یا پھر صرف فروخت کنندگان۔ لیکن میں ان کو ہر موقعے پر یا تو صرف روپے کے حامل کے بطور ملتا ہوں یا پھر خریدار اور فروخت کنندہ کے بطور۔ اور اس کے علاوہ یہ کہ سودے بازی کے ان دونوں معاملات میں A کے لئے میری حیثیت صرف خریدار کی ہے اور B کے لئے صرف فروخت کنندہ کی، یعنی ایک کے لئے صرف روپے کے بطور اور دوسرے کے لئے صرف اشیاء کے بطور۔ دونوں کے لئے بطور سرمایہ یا سرمایہ دار کے نہیں، یا، نہ ہی بطور کسی ایسی چیز کے نمائندے کے جو روپے اور اشیا سے کچھ علاوہ ہو سکتی ہے۔ میرے لئے A سے خریداری اور B سے فروخت ایک ہی سلسلے کا حصہ ہیں۔ A کو میرے B کے ساتھ لین دین سے کوئی سروکار نہیں، نہ ہی B کو میرے A کے ساتھ سودے بازی سے کوئی تعرض ہے۔ اور اگر میں اس قابل ہو جاؤں کہ ان کے سامنے سودے بازی کے اس شاندار عمل کو پلٹا کر اپنے کام کی اصل نوعیت واضح کر دوں، تو وہ غالباً مجھ کو یہ نصیحت کریں گے کہ میں سودے بازی کے اس عمل کی ترتیب کے سلسلے میں غلطی پر ہوں، اور یہ بجائے اس کے کہ ساری کی ساری سودے بازی ایک فروخت سے شروع ہو کر خرید پر مکمل ہو رہی ہے، اس کے برعکس فروخت پر شروع ہو کر خرید پر مکمل ہو رہی ہے۔ حقیقت میں میرا پہلا عمل یعنی خرید A کے نقطۂ نظر سے فروخت تھا، اور میرا دوسرا عمل یعنی فروخت B کے نقطۂ نظر سے خرید تھا۔ بات یہاں تک ہی نہیں رہ جاتی۔ دونوں A اور B یہ کہیں گے کہ یہ سارے کا سارا سلسلہ بے مقصد ہے اور بے

معنی سا ہے؛ اوراس وجہ سے مستقبل میں A براہِ راست B سے خریدے گا اور B براہِ راست A کو بیچے گا۔ چنانچہ یہ ساری کی ساری سودے بازی تنہا معاملت میں بدلتے ہوئے ایک ہی عمل ہو کر رہ جائے گی۔ چنانچہ یہ اشیاء کی عمومی گردش میں ایک غیر متعلق درجہ ہو کر رہ جائے گا، مطلب یہ کہ A کے نقطۂ نظر سے محض ایک فروخت اور B کے نقطۂ نظر سے محض ایک خرید۔ اس لئے لین دین کی سمت کا الٹ جانا ہمیں سادہ گردش کے کُرے سے باہر نہیں لے جاتا، چنانچہ ہمیں یہ بات ضرور نظر آتی ہے کہ آیا اس گردش میں کوئی ایسی بات موجود ہے جو گردش میں داخل ہونے والی قدر کو بڑھنے، مطلب یہ کہ قدرِ زائد کو پھیلنے کی اجازت دیتی ہے۔

اب ہم گردش کے عمل کی اس ہنتر کا جائزہ لیتے ہیں جس میں یہ اپنے آپ کو اشیاء کے سادہ اور بلا واسطہ مبادلے کے بطور پیش کرتی ہے۔ یہ معاملہ ہمیشہ اس وقت پیش آئے گا جب اشیاء کے دو مالکان ایک دوسرے سے خریدتے ہیں اور ادائیگیکے دن دونوں سے متعلقہ مقداریں مساوی ہیں اور ایک دوسرے کی برتری ختم کرتی ہیں۔ روپیہ اس سلسلے میں حساب کا روپیہ ہے اور اشیاء کی اقدار کو ان کی قیمتوں کے ذریعے بیان کرنے کا کردار ادا کرتا ہے، مگر بذاتِ خود اصل نقدی کے بطور ان کے سامنے نہیں ہوتا۔ جہاں تک قدرِ صرف کا تعلق ہے اس کے بارے میں یہ بات صاف ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک کچھ فائدہ ضرور حاصل کر سکتا ہے۔ دونوں ایسے سامان سے الگ ہو جاتے ہیں جو بطور اقدارِ صرف ان کے کسی کام کا نہیں، اور دوسرے کا سامان حاصل کر لیتے ہیں جس کو وہ استعمال میں لا سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک اور فائدہ بھی ہو سکتا ہے۔ A جو شراب بیچ کر غلہ خریدتا ہے، ممکن ہے کہ اسی عرصۂ محن کو استعمال کرتے ہوئے کسان B کی بہ نسبت زیادہ شراب پیدا کر سکتا ہو، اور دوسری طرف B ممکن ہے کہ کلال A کی بہ نسبت زیادہ غلہ پیدا کر سکتا ہو۔ چنانچہ اسی قدرِ مبادلہ سے A اس سے زیادہ غلہ اور B اس سے زیادہ شراب حاصل کر سکے گا، جو دونوں کو قبل ازیں بغیر کسی مبادلے کے خود اپنی شراب اور اپنا غلہ پیدا کرنے سے حاصل ہوتا تھا۔ چنانچہ قدرِ صرف کے حوالے سے یہ کہنے کے لئے کافی جواز موجود ہے کہ: ''مبادلہ ایک ایسی سودے بازی ہے جس سے فریقین میں سے ہر ایک کچھ حاصل کرتا ہے۔'' 1 قدرِ مبادلہ کے سلسلے میں صورتِ حال کچھ دوسری ہے۔ ''ایک ایسا آدمی جس کے پاس شراب کی بڑی مقدار موجود ہے لیکن غلہ کوئی نہیں تو وہ کسی ایسے آدمی کے ساتھ معاملہ بڑھائے جس کے پاس غلہ تو کافی مقدار میں ہے مگر شراب نہ ہو اور ان کے مابین 50 کے برابر قدر کے غلہ اور اسی قدر کی شراب کا مبادلہ عمل میں آئے۔ اس عمل میں دونوں میں سے کسی شخص کے لئے بھی قدرِ مبادلہ کا اضافہ نہیں ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مبادلے سے پہلے ہی دونوں ایک ایسی قدر کے حامل تھے جس کو اس نے اِس معاملت کے ذریعے حاصل کیا۔'' 2 اب اگر روپے کو اشیاء کے درمیان گردش کے ذریعے کے بطور شامل کیا جائے اور اسی کے ذریعے خرید اور فروخت کا عمل کیا جائے تو اس صورت میں بھی نتیجے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ 3 ایک شے

کی قدر گردش میں جانے سے قبل ہی اس کی قیمت میں ظاہر ہو جاتی ہے، چنانچہ وہ گردش کی طے شدہ شرط ہوتی ہے نہ کہ اس کا نتیجہ۔[4]

اگر کچھ چیزوں سے قطع نظر کر کے سوچا جائے، یعنی ان حالات سے جو فی الوقت اشیاء کی سادہ گردش کے قوانین سے نہیں نکل رہے، اس صورت میں ایک مبادلے میں کچھ نہیں رہتا، (اگر ہم ایک قدرِ صرف کی جگہ پر دوسری قدرِ صرف لانے سے قطع نظر کر لیں) مگر ایک صوری تبدیلی، مراد یہ کہ اس شے کے بنتر میں نری تبدیلی۔ یہی قدرِ مبادلہ یعنی مجسم سماجی محن کی یہی مقدار ہمیشہ شے کے مالک کے ہاتھ میں رہتی ہے، پہلے اس کی خود اپنی شے کی صورت میں، پھر اس روپے کی صورت میں جس کے ساتھ اس نے اس کا مبادلہ کیا، اور آخر میں اس شے کی صورت میں جو اس نے وہ رقم خرچ کر کے خریدی۔ بنتر کی یہ تبدیلی قدر کے حجم کی تبدیلی پر لاگو نہیں آتی۔ لیکن جس تبدیلی سے ایک شے کی قدر اس عمل کے دوران دوچار ہوتی ہے اس شے کی شکلِ روپیہ میں آنے والی تبدیلی تک ہی محدود ہے۔ یہ بنتر پہلے اس شے کی قیمت کے بطور اپنا وجود ظاہر کرتی ہے جو بیچنے کے لئے پیش ہوئی، پھر روپے کی ایک حقیقی رقم کے بطور جس کو پہلے ہی قیمت میں ظاہر کر دیا گیا تھا، اور آخر میں ایک مساوی القوت شے کی قیمت کے بطور۔ اگر اس کا الگ جائزہ لیا جائے تو بنتر کی یہ تبدیلی قدر کے حجم میں تبدیلی پر اثر انداز نہیں ہوتی جیسا کہ 5 پونڈ کے نوٹ کو sovereigns، half sovereigns اور شلنگ میں بدل لینے سے [قدر میں کوئی تبدیلی نہیں] ہوتی۔ اس طرح اشیاء کی گردش صرف ان کی قدر کی شکل میں تبدیلی لاتی ہے اور متاثر کرنے والے عواملسے مبرّا ہے، تو یہ لازماً مساوی القوت ہی کا مبادلہ ہونا چاہیے۔ ولگر معیشت قدر کے حقیقت کے بارے میں جتنا کم جانتی ہے، اس کے باوجود جب بھی وہ گردش کے عمل کو اس کی خالص حالت میں دیکھنے کی خواہش ظاہر کرے، تو یہی فرض کرتی ہے کہ رسد اور طلب برابر ہوتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ان کا اثر قریب قریب صفر ہے۔ اب جہاں تک اقدارِ صرف کے مبادلے کا تعلق ہے، اگر خریدار اور فروخت کنندہ امکانی طور پر کچھ حاصل کر سکیں، تو اقدارِ مبادلہ کے سلسلے میں ایسا نہیں ہوتا۔ یہاں پر ہمیں یہ کہنا چاہیے: ''جہاں پر برابری پائی جائے وہاں کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔''[5] یہ سچ ہے کہ اشیاء ایسی قیمتوں پر بھی فروخت کی جا سکتی ہیں جو ان کی اقدار سے انحراف کر رہی ہوں، لیکن یہ انحرافات اشیاء کے مبادلی قوانین کی خامیاں تصور کئے جائیں گے،[6] جو اپنی نارمل حالت میں مساوی القوت کا مبادلہ ہی ہے، نتیجتاً قدر کے اضافے کا کوئی طریقہ نہیں۔[7]

پس ہم دیکھتے ہیں کہ اشیاء کی گردش کو قدرِ زائد کے ذریعے کے بطور پیش کرنے کی تمام تر کوششوں کے پسِ پشت ایک بڑی خامی مخفی ہے، یعنی قدرِ صرف اور قدرِ مبادلہ کو آپس میں خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کینڈی لیک Condillac کہتا ہے: ''یہ بات صحیح نہیں کہ اشیاء کے مبادلے کے سلسلے میں ہم قدر کے بدلے

قدر دیتے ہیں، فریقین میں سے ہر کوئی ہر معاملےمیں بڑی قدر کے عوض کم دیتا ہے۔...اگر ہم حقیقی طور پر مساوی اقدار کا مبادلہ کریں تو کوئی بھی فریق نفع نہیں حاصل کر سکے گا۔لیکن چونکہ دونوں فریق نفع حاصل کرتے ہیں یا انہیں نفع حاصل کرنا چاہیے۔کیوں؟ کسی چیز کی قدر صرف اس بات پر منحصر ہے کہ اس کا ہماری حاجات کے ساتھ کیا تعلق ہے۔جو چیز ایک کے لئے زیادہ مفید ہے دوسرے کے لئے کم، یا پھر اس کا الٹ۔...یہ بات تصور نہیں کی جا سکتی کہ جو چیز خود ہماری ضرورت کی ہو گی ہم اسے فروخت کے لئے پیش کریں گے۔...ہم اپنی ضرورت کی شے کو حاصل کرنے کے لیے اپنی [ملکیتی] شے سے الگ ہو جائیں گے؛ ہم زیادہ کا عوضانہ کم دینا چاہتے ہیں۔...یہ بات سوچنا فطری عمل تھا کہ مبادلے میں قدر کے مقابلے قدر ہی دی جاتی ہے، جب بھی تبدیل ہونے والی ہر دو چیزیں سونے کی اتنی ہی مقدار کے مساوی قدر کی حامل ہوں۔...لیکن ہمارے اعداد وشمار میں ایک اور قابلِ غور نکتہ بھی ہے۔سوال یہ ہے کہ آیا ہم ایک غیر ضروری چیز کا ضروری چیز کے ساتھ مبادلہ کرتے ہیں۔''8 ہم نے اس اقتباس میں دیکھا کہ کینڈی لیک نے کس طرح سے نہ صرف قدرِ صرف کو قدرِ مبادلہ کے ساتھ گڈمڈ کر دیا، بلکہ انتہائی بچگانہ انداز میں یہ بھی فرض کر لیا کہ ایک ایسا معاشرہ جس میں اشیاء کی پیداوار بڑی ترقی یافتہ ہو وہاں ہر پیدا کار اپنے لئے خود ہی اشیائے خورد ونوش پیدا کر لیتا ہے، اور اس سے جو کچھ بچ جائے اس کو گردش میں ڈال دیتا ہے۔9 کینڈی لیک کے دلائل جدید معیشت دان ابھی تک اکثر استعمال کرتے ہیں، بالخصوص جب مسئلہ یہ ثابت کرنا ہو کہ اشیاء کا مبادلہ اپنی ترقی یافتہ صورت، یعنی تجارت میں قدرِ زائد پیدا کرنے کا اہل ہے۔مثال کے طور پر، ''تجارت...مصنوعات میں قدر کا اضافہ کرتی ہے، کیونکہ وہی اشیاء استعمال کنندگان کے ہاتھوں میں اس سے زیادہ قدر کی حامل ہوتی ہیں جو وہ پیدا کاروں ہاتھوں میں رکھتی ہیں، اور اس کو پوری طرح سے پیداوار کا عمل قرار دیا جا سکتا ہے۔''10 لیکن اشیاء کی دو مرتبہ ادائیگی نہیں کی جاتی ، یعنی ایک بار اپنی قدرِ صرف کی رو سے اور پھر اپنی قدر کی رو سے۔اور چونکہ ایک شے کی قدرِ صرف فروخت کنندہ کی بہ نسبت خریدار کے لئے زیادہ مفید ہوتی ہے، اس لئے اس کی شکلِ روپیہ فروخت کنندہ کے لئے زیادہ مفید ہوتی ہے۔وگرنہ کیا وہ اسے بیچے گا؟ ہم یہاں پر صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ خریدار ''قطعی طور پر پیداوار کا عمل'' سرانجام دیتا ہے، مثال کے طور پر جرابوں کو روپے میں بدل کر۔

اگر اشیاء یا پھر وہ اشیاء اور روپیہ جو مساوی قدرِ مبادلہ کے حامل اور نتیجتاً مساوی القوت، کا مبادلہ عمل میں آئے، تو یہ صاف ظاہر ہے کہ کوئی بھی اس سے زیادہ گردش سے نکال نہ سکے گا جتنی اس میں بھیجی گئی۔[چنانچہ] قدرِ زائد کی پیدائش عمل میں نہیں آئے گی۔اور اپنی نارمل ہئیت میں اشیاء کی گردش مساوی القوت کے مبادلے کا تقاضا کرتی ہے۔لیکن حقیقی عملی صورت میں یہ عمل اپنی نارمل ہئیت کو برقرار نہیں رکھتا۔چنانچہ ہم اب غیر مساوی القوت کا مبادلہ فرض کرتے ہیں۔

کسی بھی صورت میں اشیاء کی منڈی اشیاء کے مالکان کی وجہ ہی سے متحرک ہوتی ہے۔اور وہ قوت جو یہ افراد ایک دوسرے پر استعمال کرتے ہیں ان کی اشیاء کی قوت کے علاوہ کوئی دوسری قوت نہیں ہوتی۔ان اشیاء کی رنگا رنگ مادیت ہی مبادلے کے عمل کا مادی محرک بنتی ہے اور خریدار و فروخت کنندہ کو ایک دوسرے کا محتاج بناتی ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی خود اپنی حاجات کے لئے چیزیں مہیا نہیں کر سکتا، اور ہر ایک کے ہاتھ میں دوسرے کی ضروریات سے متعلقہ چیز تھمی ہوتی ہے۔اُن کی اقدارِ صرف کے اِن امتیازات کے علاوہ اشیاء میں صرف ایک فرق ہی رہ جاتا ہے یعنی ایسا فرق جو ان کی جسمانی بنتر اور اُس بنتر میں پایا جاتا ہے جس میں وہ خرید کے بعد بدلتی ہیں، مطلب یہ کہ اشیاء اور روپے کے درمیان پایا جانے والا فرق۔اور نتیجتاً اشیاء کے مالکان محض فروخت کنندگان یعنی وہ جو اشیاء کے حامل ہوتے ہیں، اور خریدار یعنی وہ جو روپے کے حامل ہوتے ہیں۔

پھر یہ فرض کریں کہ کسی غیر معمولی خاصیت کی بدولت فروخت کنندہ اپنی اشیاء کو ان کو قدر سے زیادہ میں بیچنے کے قابل ہو جاتا ہے، یعنی جو 100 کی حامل قدر کو 110 میں، اس سلسلے میں قیمت سیدھے سادے انداز میں 10٪ کا اضافہ ہوا ہے۔چنانچہ 10 کی قدرِ زائد فروخت کنندہ کی جیب میں چلی جاتی ہے۔لیکن جب وہ بیچ چکتا ہے تو خریدار بن جاتا ہے۔اب شے کا ایک تیسرا مالک اس کے پاس فروخت کنندہ کی حیثیت سے آتا ہے، جو اسی حیثیت میں اپنی اشیاء ٪10 زیادہ مہنگی بیچنے کا فائدہ حاصل کرتا ہے۔ہمارا دوست فروخت کنندہ کی حیثیت سے 10 صرف اس مقصد کے لئے حاصل کرتا ہے کہ خریدار کی حیثیت سے انہیں دوبارہ کھو دے۔[11] حتمی نتیجہ یہ رہتا ہے کہ اشیاء کے تمام مالکان ایک دوسرے کو اپنی اشیاء ان کی قدر سے 10 فی صد زیادہ میں بیچتے ہیں یہ عمل ہو بہو ایسا ہی ہے جیسے انہوں نے اشیاء کو ان کی اصل قیمت پر بیچا ہے۔قیمتوں کا اس طرح کا عمومی اور برائے نام اضافہ ایسا ہی اثر رکھتا ہے گویا اقدار سونے کے بجائے چاندی کے وزن میں ظاہر کی گئی ہیں۔اشیاء کی نارمل قیمتوں میں اضافہ ہو سکتا ہے لیکن ان کی اقدار میں حقیقی تعلق بے بدل ہی رہے گا۔

اب ہم اس کی متضاد مثال زیرِ بحث لاتے ہیں، یہ کہ خریدار کو اشیاء کو ان کی قدر سے کم پر خریدنے کا موقع ملتا ہے۔اس مسئلے میں یہ بات ذہن میں رکھنی ضروری نہیں ہو گی کہ وہ بھی اپنی باری پر فروخت کنندہ بنے گا۔وہ خریدار بننے سے قبل ہی فروخت کنندہ تھا چنانچہ وہ بیچنے میں پہلے ہی 10% گنوا چکا تھا اس سے پہلے کہ بطور خریدار 10% کا فائدہ حاصل کرتا[12]۔ہر چیز ایسے ہی ہے جیسے کہ پہلے تھی۔

قدرِ زائد کی پیدائش، اور چنانچہ روپے کی سرمائے میں تبدیلی، نہ اس مفروضے پر بیان کی جا سکتی ہیں کہ اشیاء اپنی قدر سے زیادہ پر فروخت ہوئی ہیں اور نہ ہی اس پر کہ وہ اپنی قدر سے کم پر خریدی گئی ہیں۔[13]

کرنل ٹورنس کے انداز میں غیر متعلقہ مواد متعارف کرانے سے بھی مسئلہ حل نہیں ہوتا: ''موثر طلب کا انحصار

قوت اور ذہنی رجحان پر ہوتا ہے(!)، صارفین کے لحاظ سے، تا کہ اشیاء کے لئے چاہے فوری یا بالواسطہ بارٹر کے ذریعے ان کی پیداوار کی بہ نسبت زیادہ سرمایہ دیں۔" 14 گردش کے تعلق کی رو سے پیدا کنندگان اور صارفین محض خریدار اور فروخت کنندگان کی حیثیت سے ہی آپس میں مل سکتے ہیں۔ یہ دعویٰ کرنا کہ پیدا کار کی حاصل کی گئی قدرِ زائد اپنی بنیاد اس حقیقت میں مخفی رکھتی ہے کہ صارف اشیاء کو ان کی اصل قدر سے زائد میں خریدتا ہے، دراصل اسی بات کا دوسرا انداز ہے کہ: اشیاء کا حامل فروخت کنندہ کی حیثیت سے زیادہ مہنگا بیچنے کا اہل ہوتا ہے۔ فروخت کنندہ نے اپنی اشیاء خود پیدا کی ہوتی ہیں یا پھر ان کے پیدا کار کی نمائندگی کرتا ہے لیکن خریدار نے ان اشیاء کو کسی کم حد تک نہیں پیدا کیا ہوتا جس کی نمائندگی اس کا روپیہ کر رہا ہوتا ہے، یا پھر یہ ان [اشیاء] کے پیدا کار کی نمائندگی کرتا ہے۔ ان کے درمیان تخصیص یہ ہے کہ ایک خریدتا ہے اور دوسرا بیچتا ہے۔ یہ حقیقت ہمیں ایک قدم بھی آگے نہیں لے جاتی کہ اشیاء کے مالکان پیدا کاروں کی حیثیت سے اشیاء کو ان کی قدر سے زیادہ میں بیچتے ہیں اور گاہکوں کی حیثیت سے ان کے لئے زیادہ معاوضہ ادا کرتے ہیں۔ 15

اس غلط نظریے کے شارحین کہ قدرِ زائد کی بنیاد اشیاء کی قیمتوں کے معمولی اضافے میں ہے یا اس سہولت میں جس کے تحت فروخت کنندہ زیادہ مہنگا بیچ سکتا ہے، ایک ایسے طبقے کے وجود کو فرض کرنا ہوگا جو صرف خریدتا ہے اور بیچتا نہیں، مطلب یہ کہ صرف استعمال کرتا ہے اور پیدا نہیں کرتا۔ ایسے طبقے کا وجود ہمارے اس مقام کے تحت نا قابلِ بیان ہے جس تک ہم اب پہنچ سکے ہیں، مطلب یہ کہ سادہ گردش کا مقام۔ لیکن آیئے اب اس کا جائزہ لیتے ہیں۔ وہ روپیہ جس کے ساتھ اس قسم کا طبقہ مسلسل خریداریاں کر رہا ہے، مسلسل ان کی جیب میں جاتا رہنا چاہیے، بغیر کسی مبادلے کے، مفت میں، خواہ طاقت کے ذریعے یا حق کے بطور، خود اشیاء کے مالکان کی اپنی جیبوں سے۔ ایسے طبقے کو اشیاء ان کی قیمت سے زیادہ میں بیچنا محض اس پیسے کے ایک حصے کو ان کی جیبوں سے نکالنا ہی ہے جو ماقبل ان کی جیبوں میں جا چکا ہے۔ 16 مشرقی ایشیا کے قصبوں میں اسی انداز میں قدیم روم کو روپے کا خراج دیا جاتا تھا۔ اسی روپے سے اہلِ روم ان سے اشیاء خریدتے، اور انہیں زیادہ مہنگا خریدتے۔ صوبائی لوگ تجارت کے معاملے میں اہلِ روم کو لوٹتے اور اسی انداز میں اپنے فاتحین سے اپنے خراج کا ایک حصہ ہتھیا لیتے۔ اس کے باوجود اس تمام کاروبار کا نتیجہ یہی نکلتا کہ درحقیقت مفتوحین ہی لٹتے۔ ان کا ساز و سامان خود انہی کے روپے کے عوض دیا جاتا۔ امارت حاصل کرنے یا قدرِ زائد پیدا کرنے کا یہ کوئی طریقہ نہیں ہے۔

ہم اپنے آپ کو مبادلے کی انہی حدود میں رکھتے ہیں جہاں پر فروخت کنندگان خریدار، اور خریدار فروخت کنندگان بھی ہیں۔ غالباً ہماری الجھن کی اصل وجہ اس بنا پر پیدا ہوئی ہوگی کہ ہم نے عمل کاروں کو افراد کے بجائے جسمانتیں personifications تصور کیا۔

A اتنا چالاک ہوسکتا ہے کہ B یا C سے ان کے جواب کے قابل نہ ہوتے ہوئے فائدہ حاصل کرسکتا ہے۔
A چالیس پونڈ قدر کی شراب B کے ہاتھوں بیچ دیتا ہے اور اُس سے مبادلے میں 50 پونڈ قدر کا غلہ حاصل کرتا ہے۔ A نے اپنے 40 پونڈ کو 50 پونڈ میں بدل لیا ہے، اس نے تھوڑے روپوں سے زیادہ روپے بنا لئے ہیں اور اپنی اشیاء کو سرمائے میں بدل لیا ہے۔ آئے اس کا جائزہ مزید تفصیل سے لیتے ہیں۔ مبادلے سے قبل ہمارے پاس A کے ہاتھوں میں 40 پونڈ قدر کی شراب تھی، اور B کے ہاتھوں میں 50 پونڈ قدر کا غلہ یعنی کل 90 پونڈ مالیت کی قدر۔ مبادلے کے بعد بھی ہمارے پاس وہی 90 پونڈ مالیت ہی کی قدر ہے۔ گردش میں موجود قدر میں ایک رائی کے برابر بھی اضافہ نہیں ہوا۔ یہ محض A اور B کے درمیان تقسیم ہوگئی ہے۔ B کے لئے قدر کا خسارہ A کے لئے قدرِ زائد ہے۔ جو چیز ایک کے لئے نقصان ہے دوسرے کے لئے نفع ہے۔ یہی تبدیلی اس وقت بھی وقوع پذیر ہوتی اگر A مبادلے کی خانہ پرُی کے بغیر ہی B کے 10 پونڈ براہِ راست چوری کر لیتا ہے۔ گردش میں موجود اقدار کا مجموعہ واضح طور پر ان کی تقسیم کے سلسلے میں آنے والی کسی بھی قسم کی تبدیلی سے متاثر نہیں ہوگا، جیسے کسی ملک میں قیمتی دھات کی مقدار اس بات سے نہیں بڑھ سکتی کہ کوئی یہودی ملکہ اینے کے فاردنگ کو ایک اشرفی میں بیچ دے۔ کسی بھی ملک کا سرمایہ دار طبقہ مجموعی طور پر خود اپنے ذات سے تو تجاوز نہیں کرسکتا۔ 17

بات کو جتنا چاہے توڑ مروڑ دیں لیکن حقیقت کبھی نہیں بدلتی۔ اگر مساوی القوت کا مبادلہ کیا جائے تو نتیجے میں کوئی قدرِ زائد نہیں پیدا ہوتی، 18 اور اگر غیر مساوی القوت کا مبادلہ کیا جائے تو پھر بھی کوئی قدرِ صرف حاصل نہیں ہوگی۔ گردش یا اشیاء کا مبادلہ کوئی قدر پیدا نہیں کرتا۔ 19

سرمائے کے بنتری معیار کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ وجہ صاف ظاہر ہوچکی ہے کہ جس بنتر کے تحت یہ جدید معاشرے کے معاشی نظم وضبط کی وضاحت کرتا ہے، ہم نے اس کی معروف ترین، دوسرے لفظوں میں دقیانوسی بنتروں یعنی تاجروں اور مہاجنوں کے سرمائے کو اپنی بحث سے خارج کر دیا۔

چکر M_C_M یعنی مہنگا بیچنے کی غرض سے خریداری حقیقی تاجرانہ سرمائے میں زیادہ وضاحت کے ساتھ دیکھا جا سکتا ہے۔ لیکن حرکت گردش کے کُرے میں اندرونی طور پر ہی وقوع پذیر ہوتی ہے۔ تاہم اب یہ اکیلی گردش کے لئے ناممکن ہوگا کہ وہ روپے کی سرمائے میں تبدیلی، اور قدر زائد کی تشکیل کی ذمہ دار ٹھہرے، کیونکہ ایسا معلوم ہوگا کہ تاجر کے سرمائے کا وجود اس وقت تک ممکن نہ ہوگا جب تک مساوی القوت کا مبادلہ ہوتا رہے گا۔ 20 اور وہ اس لئے کہ اِس کی بنیاد اس دوہرے فائدے میں ہے جو تاجر اپنے آپ کو فروخت کنندہ پیداکار اور خرید کنندہ پیداکار کے مابین عملی طور پر گھسیڑ کر حاصل کرتا ہے۔ اسی بات کی وضاحت میں فرینکلن کہتا ہے: ''جنگ ایک ڈکیتی ہے اور تجارت عام دھوکا دہی۔'' 21 اگر تاجر کے روپے کی سرمائے میں منتقلی کی وضاحت پیداکاروں

کے ساتھ دھوکے بازی سے ہٹ کر کی جائے، تو درمیان کی کڑیوں کے ایک طویل سلسلے کی وضاحت بھی ضروری ہو گی، جو موجودہ صورتِ حال میں کہ اشیاء کی سادہ گردش ہی ہمارے زیرِ بحث ہے حقیقت میں پہنچ سے باہر ہیں۔

جو ہم تاجرانہ سرمائے کے بارے میں کہہ چکے ہیں مہاجنی سرمائے پر زیادہ موثر طور پر لاگو آتا ہے۔ تاجری سرمائے میں یہ دو انتہائیں یعنی جو روپیہ منڈی میں بھیجا جاتا ہے اور بڑھا ہوا وہ روپیہ جو منڈی سے باہر بھیج دیا جاتا ہے، خرید اور فروخت کی ذیل میں تو ضرور کوئی تعلق رکھتی ہیں، دوسرے لفظوں میں گردش کی حرکت سے۔ مہاجنی سرمائے میں بنتر M_C_M بغیر کسی ذریعے کے محض دو انتہاؤں تک کم کر دی جاتی ہے، یعنی M_M، مطلب یہ کہ روپے کا مبادلہ روپے سے، ایک ایسی بنتر جو روپے کی فطرت سے مطابقت نہیں رکھتی، اور اسی وجہ سے اشیاء کی گردش کے نقطۂ نگاہ سے نا قابلِ بیان ہی رہتی ہے۔ پس ارسطو: ''چونکہ مال بنانا chrematistic ایک دوہری سائنس ہے جس کا ایک حصہ تجارت سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا معاشیات سے، ان میں سے آخر الذکر ضروری اور قابلِ تحسین ہے اور اوّل الذکر گردش پر منحصر ہے چنانچہ اس کو جائز طور پر رد کیا جاتا ہے (وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ فطرت پر نہیں بلکہ باہمی دھوکا دہی پر مبنی ہوتا ہے)، اسی لئے سود خور سے صحیح طور پر ہی نفرت کی جاتی ہے، کیونکہ خود روپیہ ہی اس کی کمائی کا ذریعہ ہوتا ہے، اور اس کو اُس مقصد کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا جس کے لیے یہ معرضِ وجود میں آتا ہے۔ کیونکہ اس کو اشیاء کے مبادلے کے لئے پیدا کیا جاتا ہے، لیکن سود روپے سے زیادہ روپیہ بناتا ہے۔ پس اس کا نام (سود اور اولاد)۔ کیونکہ نومولود انہیں کے مشابہ ہوتے ہیں جو انہیں جنم دیتے ہیں۔ لیکن سود روپے کا روپیہ ہوتا ہے، پس زندگی پیدا کرنے کے تمام طریقوں میں سے فطرت سے سب سے زیادہ متضاد یہی ہے۔'' [22]

اپنی تحقیق کے دوان ہم دیکھیں گے کہ تاجری اور مہاجنی سرمایہ دونوں باہمی طور پر استخراجی بنتریں ہیں، اور اسی دوران یہ بات بھی واضح ہو جائے گی کہ یہ دونوں بنتریں تاریخ میں سرمائے کی جدید معیاری بنتر سے قبل کیوں نمودار ہوتی ہیں۔

ہم یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ قدرِ زائد گردش کے ذریعے پیدا نہیں کی جاسکتی، اور، چنانچہ یہ کہ اس کی بناوٹ کے لئے کوئی بات پس منظر میں رو پذیر ہونی ضروری ہے جو خود گردش میں واضح نہیں۔ [23] لیکن کیا قدرِ زائد گردش سے ہٹ کر کسی اور مقام پر پیدا ہو سکتی ہے، جو [مراد گردش] اشیاء کے مالکان کے ان باہمی جملۂ تعلقات کا کُل ہے جہاں تک کہ یہ ان کی اشیا سے متعین ہوتے ہیں؟ گردش سے ہٹ کر اشیاء کے مالکان کا محض اپنی اشیاء کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ پس جہاں تک قدر کا تعلق ہے تو یہ تعلق صرف اس بات تک ہی محدود ہے کہ اشیاء خود اس کے اپنے محن پر مشتمل ہیں جس کی مقدار ایک خاص سماجی معیار سے جانی جاسکتی ہے۔ یہ مقدار اُس شے کی قدر سے جانی جاسکتی ہے، اب چونکہ قدر گنتی کے روپے کے ذریعے جانی جاتی ہے، اور اس مقدار کو قیمت سے بھی

ظاہر کیا جاسکتا ہے جس کو ہم 10 پونڈ تصور کریں گے۔لیکن اس کا محن شے کی قدر اور اس کی قدر زائد ہر دو سے بیان نہیں کیا جا سکتا، یعنی 10 کی مالیت کے برابر قیمت سے جو کہ 11 کے برابر قیمت بھی ہے، ایسی قدر کے ذریعے نہیں جو خود اپنے آپ سے بڑی ہو۔ شے کا مالک اپنے محن کے ذریعے قدر تو پیدا کر سکتا ہے مگر خود بخود بڑھنے والی قدر نہیں۔ وہ اپنی شے کی قدر میں اضافہ مزید محن کی صورت ہی میں کر سکتا ہے، اور چنانچہ اپنے پاس موجود قدر میں مزید قدر ملانے سے، مثال کو طور پر چمڑے سے بوٹ بنا کر۔ اب اسی مواد میں زیادہ قدر پیدا ہو چکی ہے، کیونکہ اس میں اب محن کی زیادہ مقدار شامل ہو چکی ہے۔ اسی وجہ سے چمڑے کی نسبت بوٹوں میں زیادہ محن پایا جاتا ہے، لیکن چمڑے کی قدر وہی رہتی ہے جو کہ پہلے تھی، یہ خود بخود نہیں پھیل گئی، اور نہ ہی بوٹوں کے بناتے ہوئے اس میں قدرِ زائد ہی اس سے منتھی ہوگئی ہے۔ چنانچہ یہ بات ناممکن ہے کہ گردش سے باہر اشیاء کا ایک پیدا کار شے کے ایک دوسرے مالک کے ساتھ رابطے میں آئے بغیر قدر کو پھیلا سکتا ہے، اور اس کے نتیجے میں روپے یا اشیاء کو سرمائے میں بدل سکتا ہے۔

چنانچہ یہ بات ناممکن ہے کہ گردش کے ذریعے سرمایہ پیدا ہو، اور یہ بھی اتنا ہی ناممکن ہے کہ سرمایہ گردش سے ہٹ کر پیدا ہو۔ چنانچہ اس کا ظہور گردش کے اندر بھی ہونی چاہئے اور بیک وقت گردش میں نہیں بھی۔

چنانچہ یہاں پر ہمارے پاس دوہرا نتیجہ حاصل ہوا ہے۔

روپے کی سرمائے میں تبدیلی کی وضاحت ان قوانین کی بنیاد پر کرنا پڑتی ہے جو اشیاء کے مبادلے کو چلاتے ہیں، اس انداز میں کہ نقطۂ آغاز ہی مساوی القوت کا مبادلہ ہے۔24 ہمارے دوست منی بیگز، جو ابھی تک واحد اور ابتدائی حالت کا سرمایہ دار ہے، کو چاہئے کہ اپنی اشیاء کو ان کی قدر پر ہی خریدے، اور انہیں ان کی قیمت پر ہی بیچے، اور اس کے باوجود عمل کے اختتام پر گردش میں سے اُس سے زیادہ قدر حاصل کرے جتنی آغاز میں اس نے داخل کی تھی۔ اس کی مکمل طور پر نشو ونما یافتہ سرمایہ دار میں ترقی گردش کے کُرے کے اندر بھی ہونی چاہئے اور اس سے باہر بھی۔ یہی اس مسئلے کی مشکلات کی صورتِ احوال ہے۔ رہوڈز یہاں موجود ہے، یہاں ابھی اور اسی وقت چھلانگ لگاؤ۔

حواشی وحوالہ جات

1۔ ''مبادلہ ایک ایسی قابلِ تحسین لین دین ہے جس سے ہر دو فریق فائدہ اٹھاتے ہیں(!)'' (Destutt de Tracy, Traite de la volonte et de ses effts, Paris, 1826, p.68.)

۔یہ کتاب بعدازاں Traite d'Econ.Polit. کے نام سے چھپی۔

2۔ Marcier de la Riviere,l.c., p 544.۔

3۔ ''چاہے ان اقدار میں سے ایک قدر روپیہ ہو، یا وہ دونوں ہی عام اشیاء ہوں، یہ بذاتِ خود ہی ایسا معاملہ ہے جس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔''(Marcier de la Riviere, l.c., p.543)۔

4۔ ایک سودے بازی میں ملوث فریقین کا یہ کام نہیں کہ قدر پر کوئی حکم لگائیں؛ یہ [قدر] تو اس سودے بازی سے قبل ہی طے پا چکی ہے۔''(Le Trosne, p.906)۔

5۔ Galiani, Della Moneta, in Custodi. "Paste Moderna," Book IV, p, 244.

6۔ ''مبادلہ فریقین میں سے ایک کے لئے اُس وقت ناسازکار بن جاتا ہے جب کوئی بیرونی حالات قیمت میں کمی یا زیادتی کا باعث بنیں، اس صورت میں برابری ختم جاتی ہے، لیکن یہ گڑ بڑ خود گردش سے نہیں بلکہ اس کی وجہ سے پھوٹتا ہے'' (Le Trosne, l.c.,p904)۔

7۔ مبادلہ اپنی نوعیت کو رو سے ایک ایسا تعلق ہے جس کی بنیاد برابری پر استوار ہوتی ہے یعنی یہ دو برابر اقدار کے مابین رونما ہوتا ہے۔ یہ ذاتی حاصل ہی کا ذریعہ نہیں ہے اگرچہ جتنا یہ حاصل کرتا ہے اتنا ہی دیتا ہے۔''

(Le Trosne,l.c., p,p 903,904)

8۔ Condillac, le Commerce et le Gouvernment(1776). Edit. Daire et Molinari in the Melanges d'Econ. Polit., Paris,1847,pp.267,291.۔

9۔ چنانچہ لی ٹروزنی اپنے دوست کینڈی لیک کی بات کا جواب بالکل درست انداز میں یوں دیتا ہے: ''ایک ترقی یافتہ سماج میں کوئی چیز بھی فالتو نہیں ہوتی''۔ اور ساتھ ہی وہ مزاحیہ انداز میں کہتا ہے: ''اگر مبادلے میں آنے والے ہر دو افراد برابر رقم سے کچھ زیادہ حاصل کر لیں، اور برابر سے کچھ کم سے الگ ہو جائیں تو وہ دونوں ایک جیسا ہی حاصل کرتے ہیں''۔(صفحہ 904)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کینڈی لیک کو قدرِ مبادلہ کا دور کا علم بھی نہیں کہ اسے Her Professor Wilhelm Roscher نے بطور ایک موزوں شخص کے منتخب کیا تا کہ خود اس کے بچگانہ نظریے کی پختگی کا جواب دے۔ دیکھئے Roscher کی کتاب "Die Grundlagen der Nationalokonomie" مرتبہ Dritte Auflage, 1858۔

10۔ S.P.Newman,"Elements of Polit.Econ.,Andovre and New

York, 1835, p. 175.۔

11۔ ''مصنوعہ کی تفویض کردہ قدر کے پھیلاؤ سے ... بیچنے والے امیر نہیں ہوتے... چونکہ جو کچھ وہ فروخت کنندگان کی حیثیت سے حاصل کرتے ہیں بالکل اسی کو خریداروں کی خاصیت میں خرچ کر دیتے ہیں۔

(The Essential Principles of the Wealth of Nations &c., London, 1797,p.66)

12۔ اگر کسی شخص کو اس بات پر مجبور کیا جائے کہ مصنوعات کی کچھ مقدار کو 18 لیوری میں فروخت کرے جبکہ اس کی قدر 24 لیوری کے مساوی ہو، جب کوئی شخص اتنی ہی رقم کو خریدنے میں صرف کرے، تو ایک شخص 18 لیوری سے مصنوعہ کی اتنی ہی مقدار حاصل کرے گا جتنی دوسرے شخص نے 24 لیوری سے حاصل کی۔''

(Le Tronse, l.c., p. 897.)

13۔ ایک فروخت کنندہ نارمل حالات میں صرف اسی صورت میں اپنی اشیاء کی قیمتیں بڑھا سکتا ہے جب وہ خود دوسرے فروخت کنندگان کی اشیاء کے لئے زیادہ روپے خرچ کرنے کے لئے تیار ہو جائے، اور اسی وجہ سے عام طور پر ایک خریدار کی اپنی خریداری کے لئے کم ادائیگی پر تیار ہوتا ہے اگر وہ ان اشیا کی قیمتوں میں کمی کے لئے تیار ہو جائے جو وہ فروخت کرتا ہے۔؟''

(Marcier de la Riviere, l. c., p.555.

14۔ Torrens, An Essay on the Production of Wealth, London, 1821, p.349.۔

15۔ ''استعمال کنندگان کے ادا کئے گئے نفع کا تصور یقینی طور پر بڑا بودا ہے۔ استعمال کنندگان کون ہیں؟''

(G.Ramsay, An Essay on the Distribution of Wealth, Edinburg, 1836,p.183)۔

16۔ ''جب ایک آدمی طلب کا محتاج ہوتا ہے، تو کیا اس صورت میں مسٹر مالتھس اس کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ کسی دوسرے آدمی کو ادائیگی کرے تا کہ وہ اس کا سامان لے جائے؟'' یہ سوال ریکارڈو کے ایک غصیلے شاگرد نے مالتھس سے کیا تھا، جو اپنے شاگرد پارسن چالمر کی مانند نرے خریداروں یا استعمال کنندگان کے طبقے کی مدح سرائی کرتا ہے۔ دیکھئے:

(An Inquiry in to those Principles Respecting the Nature of Demand and the Necessity of Consumption, lately

advocated by Mr. Matthus, & c..London, 1821, p.55.

17۔ Destutt de Tracy شاید، یا پھر اس لئے کہ وہ ادارے کا رکن تھا الٹ نظریہ رکھتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ صنعتی سرمایہ دار اس وجہ سے نفع کماتے ہیں کہ وہ تمام کے تمام اتنے روپوں سے زیادہ میں بیچتے ہیں جتنی ان کی تیاری میں لاگت آئی ہے۔ اور وہ کن کو فروخت کرتے ہیں؟ پہلی مثال میں ایک دوسرے کو۔'' (l,c.,p.239)۔

18۔ ''دو مساوی اقدار کا مبادلہ معاشرے میں موجود اقدار کی مقداروں کو نہ گھٹاتا ہے نہ کم کرتا ہے۔ اور نہ ہی دو غیر مساوی اقدار کا مبادلہ... سماجی اقدار کے حجم میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی پیدا کرتا ہے، تاہم یہ ایک شخص کی دولت میں اتنا اضافہ ضرور کرتا ہے جتنا دوسرے شخص کی دولت میں کمی کرتا ہے۔'' (B.J.Say, l.c., t, II, pp. 443, 444.)۔ Say نے اس بات کو، اس کے نتائج سے قریب قریب بے بحرا ہوتے ہوئے ہی Physiocrats سے لفظ بہ لفظ رقم کر دیا ہے۔ مندرجہ ذیل سے اس بات کا بخوبی پتا چل جائے گا کہ Say نے اپنی تحریروں کی قدر و منزلت بڑھانے کے لئے کس طرح سے، Physiocrats، جو اس کے دور میں بھلایا جا چکا تھا، کی تحریروں کو استعمال کیا۔ اس کا سب سے اعلیٰ بیان: ''مصنوعات کو محض مصنوعات ہی سے خریدا جا سکتا ہے۔'' (l. c., t. I,p. 438.) Physiocrats کی کتاب میں ان الفاظ میں ہے: ''مصنوعات کا عوضانہ صرف مصنوعات ہی سے دیا جا سکتا ہے''۔ (Le Trosne, l. c., p.899.)۔

19۔ ''مبادلہ مصنوعات کو کسی قسم کی قدر مہیا نہیں کرتا۔''

(F. Way Land, The Elements of Political Economy, Boston, 1843, p. 169)۔

20۔ غیر متغیر مساوی القوت کے قوانین کی صورت میں تجارت ناممکن ہوگی۔''

(G. Opdyke, A Treatise on Polit. Economy, New Work, 1851, pp. 66, 69).'

'حقیقی قدر اور قدرِ مبادلہ میں اصلی فرق کی بنیاد اس سچائی پر ہے کہ ایک چیز کی قدر تجارت میں اس کے عوض دئے جانے والے نام نہاد مساوی القوت مختلف ہوتی ہے مطلب یہ کہ یہ مساوی القوت دراصل مساوی القوت نہیں ہوتا۔'' (F.Engles, l. c., pp.95,96.)۔

21۔ بینجمن فرینکلن، کلیات، جلد 2، مرتبہ، سپارکس، "Posotions to be examined concerning National Wealth"، ص.376۔

22۔ ارسطو، .l. c [کتاب دی ریپبلک، بک وَن] باب 10۔

23۔ ''منڈی کی عام صورتِ حال میں نفع مبادلے سے نہیں پیدا کیا جاتا، اگر اس کا پہلے کوئی وجود نہیں تھا، تو اس سودے بازی کے بعد بھی نہیں ہوسکتا۔ رامسے Ramsay، .l. c، ص 184۔

24۔ مقدم الذکر تحقیقات سے قاری دیکھے گا کہ اس بات کا مطلب صرف یہ ہے کہ سرمائے کی تشکیل لازماً اس صورت میں بھی ممکن ہونی چاہیئے جب ایک شے کی قدر اور قیمت برابر ہوں؛ چونکہ اس کی تشکیل کے لئے ایک کا دوسرے سے انحراف ذمے دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ اگر قیمتیں حقیقی طور پر اقدار سے مختلف ہوں تو، سب سے پہلے ہمیں اول الذکر کو آخر الذکر کے برابر کم کرنا ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں فرق کو اس وجہ سے اتفاقی تصور کرنا ہوگا تا کہ مظاہیر کا مطالعہ ان کی خالص صورت میں کیا جا سکے اور ہمارے مشاہدات میں گڑبڑی پیدا کرنے والی صورتِ حال کوئی دخل نہ دے جن کا اس سوال کوئی تعلق نہیں۔ مزید براں ہم جانتے ہیں کہ اس طرح سے چیزوں کو محدود کر کے دیکھنا صرف اور صرف سائنسی عمل نہیں۔ قیمتوں میں ظاہر ہونے والی مسلسل لرزش یعنی ان کا اتار چڑھاؤ ایک دوسرے کی کمی کو پورا کر دیتا ہے اور اپنے آپ کو ایک اوسط قیمت تک کم کر لیتا ہے، یہی قیمت ان کو قابو میں رکھنے والی مخفی قوت ہے۔ پیداوار کنندہ یا تاجر کو یہی اصول ہر اس کاروبار میں راہنمائی فراہم کرتا ہے جس کے لئے کچھ وقت چاہیئے ہوتا ہے۔ اسے علم ہے کہ جب وقت کا دورانیہ زیادہ ہو تو اشیا نہ تو زیادہ نہ ہی کم قیمت میں، بلکہ اپنی اوسط قیمت پر ہی فروخت ہوتی ہیں۔ لہٰذا اگر وہ اس معاملے پر ذرا بھی غور کرے گا تو اس نتیجے پر پہنچے گا: ہم کیسے سرمائے کے ظہور کی وجہ جان سکتے ہیں جبکہ مفروضہ یہ ہے کہ قیمتوں کو اوسط قیمت چلاتی ہے، مطلب یہ کہ آخر کار اشیا کی قدر؟ میں اس لئے ''آخر کار'' کہہ رہا ہوں کیونکہ اوسط قیمت اشیا کی قدر سے بلاواسطہ ہم آہنگ نہیں ہوتی، جیسا کہ آدم سمتھ، ریکارڈو اور دوسرے یقین رکھتے ہیں۔

اس کتاب کو مارکسسٹس انٹرنیٹ آرکائیو marxists.org کے لیے ابن حسن نے ترتیب دیا۔

کمپوزنگ: امتیاز حسین، ابن حسن

اپنی رائے اور تجاویز کے لیے درج ذیل پتے پر رابطہ کریں۔

hasan@marxists.org